51

دنیا کی ترقی کا مدار اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول الہام الٰہی پر منحصر ہے

(فرمودہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۳۲ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مذہب کی بنیاد حقیقتاً وحی الٰہی پر ہوتی ہے۔ اور مذہب کی ضرورت بھی تبھی سمجھی جاسکتی ہے جب انسانی عقل بعض مقامات پر جاکر رک جاتی ہو اور ہمیں مدد دینے سے قاصر رہ جاتی ہو ورنہ اگر انسان اپنی عقل اور تدبیر سے ہی تمام کام چلا سکتا تو یقیناً اس امر کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اور کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے الہام کے ذریعہ دنیا کو ہدایت دے یا انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرکے دنیا کے امن کو بظاہر خطرہ میں ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جب بھی کوئی مامور آتا ہے تو دنیا میں خطرناک فساد پیدا ہو جاتا ہے اور ظاہر بیں نگاہیں محسوس کرتی ہیں کہ بجائے امن ترقی کرنے کے فتنہ فساد کی راہیں کھل گئیں بجائے قلوب میں محبت پیدا ہونے کے لڑائی اور جھگڑے کے لئے راستے پیدا ہو گئے اور بجائے ترقی کرنے کے لوگ تنزل کی طرف مائل ہو گئے اور اس میں کوئی شبہ نہیں اگر ہم انبیاء کی روحانی برکات کو نظرانداز کردیں اور وہ امیدیں جو ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں انہیں بھلا دیں تو یقیناً وہ فتنہ و فساد جو ان کی بعثت پر رونما ہوتا ہے اتنا بھیانک اور ایسا خطرناک نظر آتا ہے کہ انسانی عقل اس پر دنگ اور حیران رہ جاتی ہے اور یہ صرف کفار کا ہی نظریہ نہیں ہوتا مومن بھی یہی سمجھتے اور کہتے ہیں بلکہ مؤمنوں نے ہی کیا کہنا ہے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی یہی کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مبعوث کیا تو

اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہی کہا آپ کسے مبعوث کرنے لگے ہیں ہمیں نظر آتا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں سفک دم ہو گا۔ جھگڑا و فساد پیدا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس بات سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اسے تسلیم کیا لیکن ساتھ ہی کہا کہ اس کا فائدہ نقصانات سے بہت زیادہ ہے۔ بے شک اس کے ذریعہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہو گا۔ بے شک باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے جدا ہو گا۔ بے شک لوگوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا ہو جائے گا۔ اور بے شک آپس کی محبت اور پیار میں انقطاع واقع ہو جائے گا۔ لیکن پھر بھی جو فوائد اس کی بعثت سے متعلق ہیں وہ اس قدر زیادہ اور اتنے اہم ہیں کہ ساری دنیا کی تباہی بھی ان کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ پھر ملائکہ نے ہی کیا کہنا ہے خود وہ انبیاء بھی جنہیں اللہ تعالیٰ مبعوث کرتا ہے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کے آنے پر دنیا میں فتنہ و فساد بھڑک اٹھتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا مشہور قول ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ دو سے تین اور تین سے دو۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے۔ ماں بیٹی سے اور بیٹی ماں سے۔ ساس بہو سے اور بہو ساس سے۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کردوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے[1]۔ اور پھر انبیاء نے ہی کیا کہنا ہے خود دنیا کو پیدا کرنے اور ان رسولوں کو مبعوث کرنے والا خدا بھی یہی کہتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے ہم جب بھی دنیا میں الہام نازل کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا[2]۔ ہمارے احکام جب اس زمانہ کے مُتْرَفُ الحال لوگوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ان کا انکار کرتے ہیں تو لڑائی اور فساد ترقی کر جاتا ہے۔ پس ہر ایک ہستی اس بات پر متفق ہے۔ خواہ وہ خالق ہو یا مخلوق، نبی ہوں یا فرشتے، مؤمن ہوں یا کافر کہ انبیاء کی بعثت کے ساتھ دنیا میں عالمگیر لڑائی اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ کفر اور اسلام اس بات پر جمع ہو جاتا ہے اور مؤمن و کافر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کے ساتھ دنیا میں فتنہ و فساد نہ صرف رونما ہوتا بلکہ حد سے زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر کیوں اللہ تعالیٰ ان فتنہ و فساد کی راہوں کا کھلا رہنا برداشت کر لیتا ہے۔ کیوں نبیوں کو مبعوث کر کے ان جھگڑوں میں اضافہ کر دیتا ہے اور کس لئے سلسلہ نبوت کو بند کر کے دنیا کو امن و چین سے زندگی بسر کرنے نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد خدا کے

کلام کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ نفوس کی گندگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس فتنہ و فساد کا موجب اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہوتے تو کبھی اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو دنیا میں نہ بھیجتا کیونکہ وہ فتنہ و فساد پسند نہیں کرتا۔ درحقیقت لوگ خود گندے ہوتے ہیں نبی ان میں اور گند پیدا نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر جو مخفی گند ہو اسے ظاہر کردیتے ہیں۔ جس طرح طبیب ایک بیمار کو مسہل دیتا ہے۔ اور اس کے پیٹ سے گندے سُدّے نکلتے ہیں تو کوئی نہیں کہتا کہ اس طبیب نے میرا پیٹ خراب کردیا یا جلاب دے کر معدہ کو گندہ کردیا۔ بلکہ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ پیٹ میں پہلے سے گند موجود تھا طبیب نے مسہل دے کر اسے باہر نکال دیا۔ اور اس کے مخفی عیب کو ظاہر کردیا۔ یہی حال انبیاء کی تعلیم کا بھی ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر اس کی تعلیم پیش کرتے ہیں تو وہ تعلیم مسہل اور جلاب کی طرح لوگوں کے گند کو باہر نکال دیتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ گند ان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ان کی وجہ سے ان کا مخفی گند ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کی مثال اس طبیب کی سی ہوتی ہے جو جلاب کے ذریعہ مادہ فاسدہ کا اخراج کرتا ہے یا ان کی مثال اس جراح کی سی ہوتی ہے جو نشتر کے ذریعہ پھوڑے سے پیپ خارج کردیتا ہے۔ بظاہر ایک بند پھوڑے میں کوئی پیپ دکھائی نہیں دیتی لیکن ڈاکٹر کا نشتر کئی کئی چھٹانک بلکہ بعض دفعہ سیروں پیپ اس میں سے نکال دیتا ہے۔ اور کوئی نہیں کہتا کہ ڈاکٹر نے پیپ پیدا کردی بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ پیپ پہلے سے موجود تھی ڈاکٹر نے صرف چِیر کر اسے نکال دیا۔ پس مریض احسان مند ہوتا ہے نہ کہ معترض۔ اسی طرح اگر انبیاء کی بعثت سے دنیا میں فتنہ و فساد بڑھ جاتا ہے۔ اگر انبیاء کی بعثت سے لڑائی اور جھگڑا رونما ہو جاتا ہے اور اگر انبیاء کی بعثت سے لوگوں کے گند اور خرابی میں ترقی ہو جاتی ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ خرابی یا فتنہ و فساد انبیاء پیدا کرتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ گند پہلے سے موجود ہوتا ہے وہ اس گند کو ظاہر کردیتے ہیں۔

پس انبیاء کی بعثت پر تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن اس سے اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انبیاء کی بعثت نہایت ہی اہم مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے کیونکہ اگر ان کی بعثت نہایت ہی عظیم الشان امور کی سرانجام دہی کے لئے نہ ہو تو ان کے آنے پر جس قدر فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے، اسے دیکھتے ہوئے مصلحت وقت کا تقاضا یہی ہوتا کہ انہیں دنیا میں نہ بھیجا جائے۔ مگر باوجود فتنہ و فساد پیدا ہونے کے اللہ تعالیٰ کا انبیاء کو مبعوث کرنا ظاہر کرتا ہے کہ جو بظاہر نقصان دکھائی دیتا ہے، اس سے نفع بہت زیادہ ہے۔ پس باوجود اس کے کہ انبیاء کی بعثت سے ہر گھر میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے ہر گاؤں

میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر شہر میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر ملک میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ہر قوم میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا انہیں مبعوث کرنا بتاتا ہے کہ انسانی عقل راہنمائی کے لئے کافی نہیں۔ اگر انسانی عقل ہی کافی ہوتی تو ایسی صورت میں انبیاء دنیا میں کبھی مبعوث نہ ہوتے۔ پس ایک طرف جب ہم اس فتنہ پر نگاہ دوڑاتے ہیں جو انبیاء کے آنے کے ساتھ دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ہم انبیاء کے تواتر اور تسلسل کو دیکھتے ہیں تو لازماً ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وحی الٰہی اپنے ساتھ کوئی ایسی زائد چیز رکھتی ہے جسے ہم بغیر وحی کے حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں چیزوں میں سے میں اس وقت ایک موٹی چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عقل کی بنیاد جذبات پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے اور دلیل جذبات کو دباتی ہے بڑھاتی نہیں۔ جتنا جتنا کسی امر میں دلیل کا غلبہ ہوتا جائے گا اتنا ہی اس امر میں محبت کا پہلو کم ہوتا چلا جائے گا۔ اور جتنی جتنی عقل کی اتباع کی جائے گی اتنے ہی جذبات کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں جتنا جتنا جذبات ترقی کریں گے اتنا ہی عقل کا پہلو کمزور ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ جذبات ترقی کر کے بعض دفعہ ایسی صورت اختیار کر لیں گے کہ وہ عقل کا دروازہ بالکل بند کر دیں گے۔ چنانچہ کئی مائیں محض جذبات کے غلبہ کی وجہ سے اپنے بچوں کے متعلق ایسی باتوں پر آمادہ ہو جاتی ہیں جو صریح طور پر ان کے لئے نقصان رساں ہوتی ہیں۔ لیکن جذبات کا غلبہ عقل کے اس پہلو کو کمزور کر دیتا ہے۔ ہر جگہ وہ عقل سے کام لیں گی لیکن جہاں اپنے بچہ کے متعلق سوال پیدا ہو گا رہ جائیں گی کیونکہ محبت کی بے جا زیادتی انسانی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ بڑی بڑی عقل اور فہم و فراست والے لوگوں کے متعلق بھی دیکھا جاتا ہے کہ جہاں ان کے دوستوں اور عزیزوں کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا ہے' وہاں ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ وہ ساری دنیا کو عقل سکھائیں گے۔ ساری دنیا کو فہم و فراست کا سبق دیں گے لیکن اپنے دوستوں اور عزیزوں کے متعلق اپنا ہی دہرایا ہوا سبق بھول جائیں گے۔ ان کے جذبات ان کی عقل پر غالب آجائیں گے۔ اور وہ رعائتیں کریں گے۔ بے انصافی شروع کر دیں گے اور اس امر کو بالکل فراموش کر دیں گے کہ ناانصافی اور بے جا رعائتیں ہی دنیا کو تباہ کرتی ہیں۔ پس عقل اور جذبات ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں ان دونوں کو جمع کرنے والی ایک زائد چیز ہے اور وہ وحی الٰہی ہے۔ خالی عقل کبھی دنیا میں کامیاب نہیں کر سکتی۔ اسی طرح خالی جذبات دنیا میں کبھی کامیاب نہیں کر سکتے۔ یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اور یہ دونوں آپس میں کبھی نہیں مل سکتیں۔ جس طرح آگ اور پانی

متضاد چیزیں ہیں اسی طرح عقل اور جذبات متضاد چیزیں ہیں۔ لیکن جس طرح دانا آدمی آگ اور پانی ملا کر ان سے نہایت مفید کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ انجن اور مشینیں انہیں دونوں کو ملانے سے چلتی ہیں۔ اسی طرح ان دو متضاد چیزوں کو بھی ایک اور زبردست چیز جوڑتی ہے اور وہ چیز جو انسانی مشین کے اندر عقل اور جذبات کو متحد کر دیتی ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ وگرنہ عقل اپنی جگہ نہایت مفید دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ پورے استقلال کے ساتھ اپنے اس دعویٰ پر اصرار کرتی چلی جاتی ہے کہ دنیا میں صرف جذبات کے ساتھ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہم وحی الٰہی کو نظر انداز کر دیں تو ہمیں ایسا ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جذبات اپنی جگہ اس دعویٰ پر اصرار کرتے ہیں کہ خالی عقل دنیا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے نظرانداز کر دیا جائے تو عقل بھی ناکارہ ہو جائے اور اگر ہم اس پر غور کریں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کی تمام ترقی جذبات پر منحصر ہے۔ جذبات کہتے ہیں کہ عقل تو تجربہ کے بعد پیدا ہوتی ہے لیکن وہ بچہ جس نے آگے دنیا کو چلانا ہوتا ہے اس سے ماں باپ کی محبت کس چیز پر مبنی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انکی محبت عقل پر مبنی نہیں ہوتی۔ بلکہ جذبات اس کا موجب ہوتے ہیں۔ اگر جذبات اس محبت کا موجب نہ ہوتے تو کبھی ماں باپ اپنے بچوں کو کھانا نہ کھلاتے۔ انہیں کپڑے نہ پہناتے۔ ان کی ضروریات کا خیال نہ رکھتے۔ کیونکہ عقل کہتی ہے، ممکن ہے یہ آج تم سے کھا پی کر بڑے ہو کر نافرمان ہو جائیں۔ یا عقل کہتی اپنے بچوں پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے جو روپیہ ہو اسے اپنے نفس پر خرچ کرو۔ مگر جذبات عقل پر غالب آجاتے ہیں۔ اور ماں باپ محض جذبات کی بناء پر کہتے ہیں ہمارا بچہ ہمیں جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگر عقل کے ساتھ بعض بچے پالے بھی جاتے تو بھی عقل زیادہ سے زیادہ یہ دلیل دے سکتی تھی کہ بچوں کو اس لئے کھلایا پلایا جائے کہ وہ بڑھاپے میں ماں باپ کے کام آئیں گے۔ مگر ایسے بھی تو بچے ہوتے ہیں جو ماں باپ کی آخری عمر میں پیدا ہوتے ہیں اور ماں باپ کو یقین ہوتا ہے کہ جب تک یہ جوان ہوں گے ہم قبروں میں چلے جائیں گے۔ مگر باوجود اس کے ماں باپ انہیں پالتے اور ان کی پرورش کرتے ہیں بلکہ جتنے جتنے ماں باپ بوڑھے ہوتے جاتے ہیں اتنی ہی ان کی محبت بچوں سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ عام طور پر دنیا میں دستور ہے کہ جوانی کی اولاد اتنی پیاری نہیں ہوتی جتنی بڑھاپے کی ہوتی ہے۔ حالانکہ جوانی کی اولاد کے متعلق تو یہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی وقت ہمارے کام آئے گی۔ لیکن بڑھاپے کی اولاد کے متعلق تو ایسا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پس اولاد کی تربیت جذبات سے ہی وابستہ ہے عقل سے نہیں۔

اسی طرح سیاسی ترقیات بھی اس قومی یا مذہبی جذبہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں جو کسی قوم کے افراد میں جان قربان کر دینے کے متعلق پایا جاتا ہے۔ اگر لوگوں کے اندر جان قربان کر دینے کے متعلق جذبات نہ پائے جاتے تو دنیا کبھی ترقی نہ کر سکتی۔ وہی قومیں دنیا میں بڑھتی ہیں اور وہی قومیں دنیا میں بڑھ سکتی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور اس امر کے لئے تیار ہیں کہ جس وقت بھی ضرورت پیش آئے گی ہر رنگ میں قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں گی۔ لیکن یہ کون سی عقل کہتی ہے کہ جاؤ اور جا کر خود تو مرجاؤ اور پچھلوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ ایسے موقع پر عقل تو ہر شخص سے یہی کہے گی کہ اگر تو مرگیا تو تجھے اس سے کیا فائدہ کہ دوسروں کو فتح حاصل ہوگی۔ پس عقل جنگ کے موقع پر بھی یہی کہے گی کہ مت لڑو۔ لیکن اس وقت جذبات غالب آجائیں گے۔ اور یہ جذبہ دل کو چین لینے نہیں دے گا کہ یہ میرا ملک ہے اور میری قوم کو فتح حاصل ہونی چاہئے اور یہ جذبہ کبھی اس امر پر غور کرنے نہیں دے گا کہ اگر میں مرگیا تو اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ ایسے موقع پر جذبات کے مقابلہ میں عقلی دلائل بالکل ہیچ نظر آئیں گے۔ پس یہ دعویٰ بھی جذبات کا صحیح ہے کہ بغیر جذبات کے کسی کام کو کر دیکھو' اس میں کامیابی نہیں ہوگی۔ غرض ہم جب جذبات کے پہلو کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کی بات ماننی پڑتی ہے اور اگر ہم عقل کی بات سوچیں تو ہمیں اس کی بات کو درست تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس ورطۂ حیرت سے اللہ تعالیٰ کا الہام ہی ہے جو باہر نکالتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ یہ بھی صحیح کہتا ہے اور وہ بھی صحیح کہتا ہے۔ مگر ان دونوں کی کچھ حدود ہیں۔ انہیں مد نظر رکھنا چاہئے۔ الہام کے بغیر جب ہم جذبات کو غالب کریں گے عقل رخصت ہو جائے گی۔ اور جب عقل کو غالب کریں گے تو جذبات کا پہلو بالکل دب جائے گا۔ لیکن الہام کہے گا کہ یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ عقل بھی ضروری ہے اور جذبات بھی مفید ہیں۔ لیکن ہر ایک کے لئے ایک موقع اور محل ہے۔ پس الہام الٰہی کے ماتحت یہ دونوں متضاد چیزیں یکجا ہو جائیں گی۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے جرمن والے فرانس کے ملک میں نہ جا سکیں۔ اور فرانس والے جرمنی میں نہ آسکیں لیکن انگریزوں کے ملک میں یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ کیونکہ انگریز تیسری طاقت ہیں اسی طرح الہام الٰہی بھی عقل اور جذبات سے بالکل علیحدہ ایک ثالث اور منصف کی حیثیت میں ہے۔ اور وہ عقل اور جذبات کو اپنی اپنی جگہ پر قائم کر دیتا ہے۔ جس طرح دنیا میں بھی ہر جھگڑے میں ایک ثالث کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ان عقلی اور جذباتی لڑائیوں میں بھی ایک ثالث کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ الہام الٰہی ہے۔ عقل اور جذبات کی جنگ میں سے مثلاً مرد و عورت کا

باہمی نزاع بھی ہے۔ عورتیں کہتی ہیں ہم دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی کر سکتی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ قانون مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں اپنے فائدہ کے لئے بنالیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی امر میں عورتوں کا دخل ہو تو مرد کہہ دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھا۔ ایسی صورت میں وحی الٰہی ہی ہے جو مرد و عورت کے حقوق کے متعلق روشنی ڈالتی اور اس جھگڑے کا درست تصفیہ کر سکتی ہے۔ اگر وحی الٰہی ایک ثالث کی حیثیت میں آکر ان جھگڑوں کا فیصلہ نہ کرے تو میاں بیوی آپس میں لڑتے ہی چلے جائیں گے اور باہم زندگی بسر کرنا محال ہو جائے گا۔ خدا کا الہام بتاتا ہے کہ خدا نہ مرد ہے نہ عورت۔ اس لئے نہ وہ مردوں کے ساتھ رعایت کرتا ہے اور نہ عورتوں کی حق تلفی۔ اس کا فیصلہ عین انصاف ہے۔ غرض وحی الٰہی ایسی چیز ہے جو تمام قسم کی ترقیات کا صحیح راستہ بتاتی ہے۔ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق وحی الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے بلکہ دنیاوی ترقیات بھی اسی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ایسی بھی قومیں ہیں جو بغیر وحی الٰہی کی راہنمائی کے خود بخود اسباب سے کام لینے کی وجہ سے ترقی کر جاتی ہیں جھوٹے ہیں۔ یورپ کی ترقی محض اسلامی تعلیموں پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ مرد و عورت کے تعلقات سود اور بین الاقوامی تعلقات میں آج وہ اسلام کی طرف لوٹ رہا ہے۔ لیکن یورپ اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اس نے یہ تمام باتیں اسلام سے سیکھیں بلکہ وہ اسے اپنے تجربات کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ تجربہ تو انہیں آج ہوا لیکن اسلام آج سے صدیوں پہلے انہیں یہی کہتا تھا جس کا وہ انکار کرتے رہے۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ بہت ہی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور ایک لمبے عرصہ تک مختلف مصیبتوں میں مبتلاء رہنے اور تجربہ حاصل کر لینے کی وجہ سے یورپ اسلامی مسائل کی طرف آیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس تجربہ کی طرف پہلے خیال کیوں نہ آیا۔ یہ تو صریح طور پر اسلامی تعلیمات کا اثر ہے۔ لیکن وہ اسے چھپانے کے لئے کہتے ہیں کہ ہمارے تجربات نے ہم پر ایسا ظاہر کیا۔

کولمبس نے جب نئی دنیا کا سراغ نکالا تو اس وقت اس نے یہی کہا کہ میں نے مسلمانوں سے سنا تھا کہ اس طرف کوئی اور ملک بھی ہے۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں اس کی صحت کا پتہ لگاؤں۔ دراصل ان تمام تغیرات کی اصل وجہ اسلامی تعلیم ہے۔ وہ اس کا نام تجربہ رکھتے ہیں لیکن ان میں تجربہ کا خیال بھی اسلام ہی نے پیدا کیا ورنہ اسلام سے پہلے انہوں نے کیوں تجربہ نہ کر لیا۔ آخر دنیا کروڑہا کروڑ سال سے چلی آتی ہے۔ پہلے لوگوں نے کیوں نہ تجربہ کر لیا کہ یہ باتیں غیر مفید ہیں اور

یہ مفید۔ کیا وجہ ہے کہ اسلام کے بعد ہی انہیں اس کا خیال آیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم ان کے کانوں پر متواتر پڑتی رہی۔ اور جب انہیں اپنی تعلیم میں خامیاں دکھائی دیں تو انہوں نے اسلامی تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ مگر منسوب اسے اپنے تجربہ کی طرف کرلیا۔ پس الہام الٰہی ایک نہایت ہی زبردست انقلاب پیدا کرنے والی چیز ہے۔ میں اس وقت الہام الٰہی کے فوائد بیان کرنے نہیں کھڑا ہوا میرا مدعا یہ ہے کہ ہم جب عقل پر زور دیتے ہیں تو محض اس لئے کہ الہام عقل کی راہ بتاتا ہے۔ ورنہ جب ہم الہام الٰہی پر یقین رکھیں تو خواہ لاکھوں عقلیں اس کے خلاف کہیں ہمیں بہرصورت الہام الٰہی کو مقدم کرنا پڑے گا۔ بفرض محال ہمیں خدا تعالیٰ کا کلام اگر یہ کہے کہ دنیا میں سورج نہیں تو خواہ ہماری عقل لاکھ کہے کہ سورج ہے تب بھی ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا تو واقعی سورج نہیں یا ہم سورج کا جو مفہوم سمجھتے رہے تھے وہ غلط ہے۔ کیونکہ خدا کا قانون تو یہ کہتا ہے کہ سورج ہے اور اس کا قول کہتا ہے کہ نہیں تو چونکہ خدا کے قول و فعل میں اختلاف نہیں ہو سکتا اس لئے سورج کا مفہوم ہم غلط سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہم علم طبیعات کا احترام کرتے ہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ اس میں غلطیاں نہیں بلکہ اس لئے کہ خدا کا کلام کہتا ہے کہ صحیح طبیعات خدا کے قول کے خلاف نہیں ہو سکتیں۔ اور چونکہ خدا کا کلام یہ کہتا ہے اس لئے ہم اس علم کا احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح عقل کی بھی ہم قدر کرتے ہیں۔ مگر وہ عقل جو الہام الٰہی کے خلاف ہو وہ عقل نہیں بیوقوفی ہے۔

پس خوب یاد رکھو الٰہی کلام سب سے مقدم چیز ہے اور جو لوگ خدائی الہام کے خلاف چل کر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی اور عمدہ تعلیم بنا سکیں گے وہ خطرناک غلطی میں مبتلاء ہیں۔ آج تک کے دنیا کے تجربہ نے بتادیا ہے کہ جو لوگ الہام الٰہی کے خلاف چلتے ہیں وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور آخر انہیں ٹھوکریں کھا کھا کر اسلام کی طرف آنا پڑتا ہے۔ کروڑوں کروڑ لوگوں نے تجربہ کیا اور انہیں دھکے کھا کھا کر اسلام کی طرف لوٹنا پڑا اور انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ اسلامی تعلیم ہی افضل ہے۔ اب جو شخص کہتا ہے کہ میں بھی اپنی عقل سے کام لے کر دیکھوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے الہام نے غلط کہا ہو۔ ایسی عقل پر سوائے رونے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ پس دنیا کی ترقی کا دارومدار اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول الہام الٰہی پر ہے۔ یہاں صرف عقل بالکل رہ جاتی ہے اور اس کا دائرہ عمل نہایت محدود ہو جاتا ہے۔ جذبات کے لئے بھی ایک میدان ہے اور عقل کے لئے بھی۔ اور ان دونوں میں جو چیز صلح کراتی ہے وہ ایسا مذہب ہے جو کلام الٰہی پیش کرے۔ اگر

صرف عقل خدا شناسی کے لئے کافی ہوتی تو الہام الٰہی کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اگر صرف جذبات خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر کلام الٰہی نے آکر بتادیا کہ یہ دونوں چیزیں بغیر ایک تیسری چیز کے ساتھ ملے نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ اسی اَمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

فلسفی کز عقل مے جوئد ترا دیوانہ ہست

وہ فلسفی جو تجھے صرف عقل کے ذریعہ پہچاننا چاہتا ہے دیوانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان جب بھی پائے گا الہام الٰہی کی روشنی میں پائے گا۔ پس یاد رکھو دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک حقیقی ترقی نہیں کر سکتی جب تک الہام الٰہی کے درجہ کو مقدم نہیں کرلیتی۔ احمدیت اس امر کی صداقت کا زندہ نشان ہے اور چیلنج ہے مذہب کی طرف سے تمام فلسفیوں کو اور عقل کے پیرووٴں کو کہ تمہاری عقل نارسا اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے ناکافی ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ احمدیت اسی بنیاد پر قائم کی گئی ہے اگر ہماری جماعت کے افراد بھی عقل کو الہام الٰہی پر مقدم کرنے لگیں اور وہ بھی کوتاہ نگاہ فلسفیوں کی طرح ہر روحانی چیز کو اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپنا چاہیں تو وہ اپنی غرض کو خود باطل کرنے والے ہوں گے۔ احمدیت کی اسی لئے ضرورت ہے کہ دنیا کو الہام الٰہی کی ضرورت ہے۔ اور الہام جذبات اور عقل کے درمیان ثالث اور منصف کی حیثیت میں ان سے صحیح کام کراتا ہے۔ خالص جذبات ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہوتے تو ہمیں الہام الٰہی کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اگر صرف عقل کافی ہوتی تب بھی ضرورت نہیں تھی بلکہ الہام کی اسی وقت ضرورت محسوس ہوتی ہے جب ہم تسلیم کرلیں کہ عقل کسی جگہ رہ جاتی ہے اور جذبات کسی جگہ کام دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ہم دنیا کے فلسفیوں کی طرح عقل کی اندھادھند تقلید کریں گے خطرناک غلطی ہے۔ میں فرض محال کے طور پر کہتا ہوں اگر عقل یہ کہتی ہو کہ دنیا کا کوئی خدا نہیں ہونا چاہئے تو وہ عقل نہیں دیوانگی اور مجنونانہ بڑ ہے۔ اور اگر فرض بھی کرلو کہ ایسا کہنے والے عقلمند ہوں تب بھی انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وہ کسی مذہب کے قائل ہیں تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی عقل ناقص اور ادھوری ہے۔ ورنہ وہ مذہب کی ضرورت کو خود باطل کر رہے ہوں گے۔ پس وہ بے وقوف شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر ایک طرف مذہب ہے اور دوسری طرف عقل تو ہمیں عقل کو اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا الہام عقل کے

خلاف نہیں ہوتا مگر یہ ضروری نہیں کہ انسانی عقل ہر قسم کی غلطی سے منزہ ہو۔ ہمیں چاہئے کہ ہم خدا کے کلام کو سوچیں اور اس پر غور کریں اور پتہ لگائیں کہ کہیں ہم سے تو اس کے معنے سمجھنے میں غلطی نہیں ہوئی۔ اور اگر اپنے آپ اپنی غلطی سے آگاہی نہ ہو تو زندہ انسانوں سے دریافت کرے اور کہے کہ میں تو خدا کے کلام کا یہ مفہوم سمجھتا ہوں مگر مجھے یہ خدا کے فعل کے خلاف دکھائی دیتا ہے آپ بتائیں۔ پھر اگر وہ کوئی درست راہ بتائیں تو اس کے پیچھے چلے۔ ورنہ پھر اپنے بزرگوں کی کتابیں دیکھے کہ انہوں نے کیا لکھا ہے اور اگر اس تمام تحقیق کے بعد اسے معلوم ہو کہ خدا کے کلام کا وہی مفہوم ہے جو اس نے سمجھا تو وہ اسی کو اختیار کرے۔ اور عقل کی ٹھوکر اس کی کوتاہی اور کمزوری پر محمول کرے اور اگر اسے تحقیق و تجسس کے بعد معلوم ہو کہ خدا کے کلام کا مفہوم سمجھنے میں اس سے کوتاہی ہوئی ہے تو وہ نئے معانی کے ماتحت خدا کے قول اور فعل کو متحد کردے اور اگر کسی صورت میں بھی اسے تسلی نہ ہو تو وہ بہرحال خدا کا کلام مقدم کرے اور عقل اور جذبات ان کے ماتحت کرے یہی گر ہے جس سے پہلی روحانی جماعتیں کامیاب ہوئیں۔ اور یہی گر ہے جس سے اب ہماری جماعت ترقی کرسکتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے دماغوں میں فلسفیانہ خیالات رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض کرتے اور اپنی عقل کو اس پر حاکم بنانا چاہتے ہیں اگر وہ قرآن مجید کو اپنے لئے خضر راہ نہیں بناتے تو وہ قوم کے لئے طاعون کے کیڑوں سے کم نہیں۔ اور وہ جتنا جتنا پھیلیں گے اتنا ہی جماعت کو نقصان پہنچے گا۔ اور جتنے کم ہوں گے اور جتنی جلدی کم ہوں گے اتنا ہی زیادہ اس میں فائدہ ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور اس امر کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے الہام کو اپنی عقل پر مقدم رکھیں اور اگر کسی وقت انکی ناقص عقلیں اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقابلہ میں آجائیں تو وہ سمجھ جائیں کہ یہ ان کی عقل کی کوتاہی ہے۔ ورنہ خدا کی باتیں بالکل سچ ہیں۔

(الفضل ۲۴۔ اپریل ۱۹۳۲ء)

۱؎ متی باب ۱۰ آیت ۳۴ تا ۳۶ مطبوعہ ۱۹۰۸ء (مفہوماً)

۲؎ بنی اسرآئیل: ۱۷